پروفیسر محمد عثمان

پردے کے شرعی حدود

کیا مسلمان عورت کو باہر نکلنے پر چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھنے کی اجازت ہے؟ اور کیا وہ گھر کی ذمہ داریوں کے علاوہ معاشرے میں معاشی، تمدنی یا سیاسی نوعیت کی کوئی ذمہ داری بھی قبول کر سکتی ہے؟ یہ دو سوال ہماری تعمیر نو کے نقطۂ نظر سے جس قدر اہم ہیں اسی قدر ان کے بارے میں ہمارے درمیان شدید اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ایک گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ چہرہ اور ہاتھ پردے کے شرعی حدود سے باہر ہیں اور کتاب و سنت نے مسلمان عورت پر ایسی کوئی قدغن نہیں لگائی جس کی رو سے اسے کوئی معاشی، تمدنی یا سیاسی ذمہ داری قبول کرنے سے روکا گیا ہو۔ دوسرا گروہ اس کے عین برعکس رائے رکھتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان اہم سوالات کے بارے میں ہمیں قرآن حکیم اور سنت نبوی سے کیا رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے اور اس مضمون میں اسی سے بحث کی جائے گی، قرآن حکیم میں ہمیں دو حکم ملتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) وقل للمومنٰت یغضضن من ابصارھن و یحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علیٰ جیوبھن (النور)

اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں سوائے اس زینت کے جو خود ظاہر ہو جائے اور وہ اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بکل مار لیا کریں۔

(۲) یاایھا النبی قل لازواجک و بنٰتک و نساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذالک ادنیٰ ان یعرفن فلا یوذین۔ (الاحزاب)

اے نبی! اپنی بیویوں، اور بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں۔ اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ پہچانی جائیں گی اور ان کو ستایا نہ جائے گا۔

پہلی آیت میں دو باتیں بالخصوص غور طلب ہیں۔ اول یہ حکم کہ مومنات اپنی نظریں نیچی رکھیں اور دوم الا ما ظھر منھا کے مفہوم کا تعین۔ علمائے قدیم و جدید میں جو حضرات چہرے اور ہاتھ کو پردے کے لازمی حدود سے باہر سمجھتے ہیں پہلی دلیل تو یہی دیتے ہیں کہ اگر چہرہ چھپائے رکھنا ہی مقصود تھا تو نگاہیں نیچی رکھنے کے حکم کی ضرورت پھر

کیا تھی؟ نظریں نیچی رکھنے کی پابندی تو اسی صورت میں عائد کی جا سکتی ہے جب آنکھیں چار ہونے کا امکان باقی ہو۔ جب چہرہ چھپا ہوا ہو تو نظروں کے اٹھنے کا سوال کہاں باقی رہتا ہے۔ لہذا غض بصر کا خود اس بات کی دلیل ہے کہ مقصود چہرے کا چھپانا نہیں بلکہ بیباک نگاہی کو روکنا ہے۔ اس کے بعد الاما ظہر منہا کی طرف آیئے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ مسلمان عورتیں اپنی زینت چھپائیں سوائے اس کے جس کا ظاہر ہونا قدرتی اور ناگزیر ہے۔ جو لامحالہ ظاہر ہی رہنے والی ہے۔ ائمہ کرام اور علمائے سلف میں سے بے شمار نے اس سے مراد چہرہ اور ہاتھ لیے ہیں اور بیشتر نے ذیل کی مستند احادیث سے استدلال کیا ہے:

۱۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا "جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آنا چاہیئے، سوائے چہرے اور کلائی کے جوڑ تک ہاتھ کے۔ (ابو داؤد)

۲۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ اسماء بنت ابو بکرؓ یعنی حضرت عائشہؓ کی بہن ایک مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں باریک کپڑے پہنے ہوئے حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے ان کو دیکھ کر منہ پھیر لیا اور فرمایا "اسماء! جب عورت جوان ہو جائے تو مناسب نہیں کہ اس کے جسم میں سے کچھ نظر پڑے سوائے "اس کے اور اس کے۔" اور یہ کہہ کر آپؐ نے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔ (ابن ماجہ)

۳۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں اپنے بھتیجے عبداللہ بن الطفیل کے سامنے زینت کے ساتھ آئی تو آپؐ نے اسے ناپسند کیا اور فرمایا "جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اپنے جسم میں سے کچھ ظاہر کرے سوائے چہرے کے اور سوائے اس کے اور یہ کہہ کر آپؐ نے اپنی کلائی پر اس طرح ہاتھ رکھا کہ آپ کی گرفت کے مقام اور ہتھیلی کے درمیان صرف ایک مٹھی بھر جگہ باقی تھی۔ (ابن جریر)

ان احادیث سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآن حکیم نے الا ما ظہر منہا میں جو استثنا رکھی ہے اس سے حضور اکرمؐ نے چہرہ اور ہاتھ مراد لیے ہیں ورنہ ایک دو نہیں متعدد بار اور متعدد موقعوں پر آپؐ کا اس قدر واضح اور کھلے لفظوں میں یہ فرمانا کہ جوان عورت کے جسم سے سوائے چہرے اور ہاتھ کے کچھ نظر نہیں آنا چاہیئے اور کس بنا پر ہو سکتا تھا۔

اب دوسری آیت پر غور کیجئے۔ اس میں بھی دو امور توجہ طلب ہیں۔ اول یہ کہ یدنین علیھن من جلابیبھن کے کیا معنی ہیں؟ اور دوم یہ کہ اس آیت کے مفہوم و مقصود میں فلا یوذین "تا کہ ان کو ستایا نہ جائے" کا کیا مقام ہے؟ جو علمائے کرام ہاتھ اور چہرے کو پردے کے لازمی حدود سے باہر سمجھتے ہیں وہ پہلے حصے کا ترجمہ یوں کرتے ہیں، وہ اپنی چادریں اپنے اوپر لپیٹ لیا کریں" اپنے اوپر اپنی چادریں نزدیک کر لیں" اور جو حضرات چہرے اور ہاتھ کو پردے کے اندر شمار کرتے ہیں وہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "اپنے اوپر چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں" "اپنی چادروں کو اپنے

اوپر لٹکا لیا کریں"۔ جہاں تک آیت کے لفظوں کا تعلق ہے وہ دونوں مفہوم کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ جلباب بڑی چادر کو کہتے ہیں۔ اور یدنین، ادناء (دنی) سے ہے جس کے معنی قریب کرنے، نزدیک کرنے اور اپنی طرف کھینچنے کے ہیں۔ اور جلباب کے ساتھ جب یہ فعل آئے گا تو ظاہر ہے کہ اس کے معنی اچھی طرح اوڑھ لینے کے ہوں گے۔ اب یہ آپکے مذاق پر ہے چاہے اسے "گھونگھٹ" کہہ لیں، چاہے اسے اچھی طرح لپیٹ لینا سمجھ لیں۔ مگر جہاں تک اس آیت کے معاشرتی اطلاق کا تعلق ہے اس میں اہم ترین نکتہ فلا یوذین کا ہے۔ یہ گھونگھٹ نکالنا کیوں؟ یہ اچھی طرح لپیٹنا کس لیے؟ یوں اوڑھنے کی غرض کیا؟ اس لیے کہ شریر النفس اور اوباش لوگ مومنات کو تنگ نہ کریں۔ ان سے چھیڑ خانی نہ کریں۔ یہ بات قدرے وضاحت طلب ہے۔

آیت زیر نظر سورۂ احزاب سے ہے جو جنگ احزاب کے بعد ۵ھ میں نازل ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اسلام کی سیاسی اور اخلاقی قوت ابھی مستحکم نہیں ہوئی تھی (یہ استحکام فتح مکہ کے ساتھ ۸ھ میں حاصل ہوا) اور مدینہ میں ابھی منافقین اور یہود کا زور ٹوٹا نہیں تھا۔ وہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے جلتے تھے اور ان کے دلوں میں حسد اور کینے کی آگ برابر سلگ رہی تھی۔ جنگ احزاب سے جب ان کے ناپاک ارادوں کی تکمیل نہ ہوئی تو ان میں سے بعض اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئے اور مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لیے انہوں نے جھوٹی افواہیں پھیلانا اور نیک مردوں اور عورتوں کے خلاف تہمتیں تراشنا شروع کر دیں۔ ساتھ ہی جب اور جہاں موقع مل جاتا وہ مسلمان عورتوں پر آوازے کستے اور ان سے بدگوئی کرتے تھے۔ قرآن حکیم نے اس صورت حال سے نپٹنے کے لیے ایک طرف تو منافقین و یہود کو خبردار کیا کہ اگر وہ اپنی مذموم حرکتوں سے باز نہ آئے تو ان کا انجام سخت عبرت ناک ہوگا۔ اور دوسری طرف مسلمان عورتوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنے اوپر بڑی سی چادر اوڑھ کر اس انداز سے باہر نکلیں کہ شرارت پسندوں کو شرارت کا کم سے کم موقع ملے۔

میں نے اوپر جن باتوں کا تذکرہ کیا ہے ان کی تصدیق کے لیے ہمیں کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ اس کے لیے صرف آیت زیر نظر کے سیاق و سباق پر ایک نظر ڈال لینا کافی ہوگا۔ میں دو آیات زیر بحث آیت سے پہلے کی اور دو آیات بعد کی یہاں پیش کرتا ہوں۔ اس سے قارئین پر قرآن حکیم کے اس حکم کا پس منظر اور غرض و غایت خود بخود روشن ہو جائے گی۔ اور اس کا بخوبی سمجھ لینا آسان ہو جائے گا۔ ارشاد ہوتا ہے:

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کیا ہے اور جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو بغیر ان کی کسی خطا کے ایذا دیتے ہیں انہوں نے صریح بہتان اور گناہ (کا بوجھ) اپنے اوپر اٹھایا۔ اے نبی اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ (باہر نکلتے وقت) اپنی چادریں اپنے اوپر لپیٹ لیا کریں۔ اس سے ان کا صرف پہچانا جانا زیادہ قرین قیاس ہے۔ پھر ان کو ایذا نہ دی جائے

گی۔ اور اللہ بخشنے والا اور کرم کرنے والا ہے۔

"اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے اور وہ جو مدینہ میں جھوٹی افواہیں پھیلاتے ہیں اپنی حرکات سے باز نہ آئے تو ہم تم کو ان پر مسلط کر دیں گے۔ پھر وہ اس شہر میں تمہارے ہمسائے میں زیادہ عرصے تک ٹھہرنے نہ پائیں گے۔ یہ ملعون جہاں ہوں گے پکڑے جائیں گے اور قتل کیے جائیں گے۔" (الاحزاب: ۶۰-۱۰)

آپ نے دیکھ لیا کہ اس وقت مدینہ میں منافقین کا ایک گروہ ایسا موجود تھا جو ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت مومن مردوں اور عورتوں کو "ایذا" دیتا تھا۔ اور ان کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں پھیلاتا تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کے خلاف تہمت تراشی کا واقعہ بھی اسی زمانے میں اور انہی شر پسندوں کی بدولت پیش آیا۔ انہی لوگوں کے "شر" سے بچنے کے لیے اللہ تعالے نے مسلمان عورتوں کو جلباب اوڑھنے کا حکم دیا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی معاشرے میں منافقین جیسا بدقماش گروہ یا راستہ چلتی عورتوں کو تنگ کرنے والا طبقہ مفقود ہو تو کیا وہاں بھی مومنات پر جلباب کا استعمال ضروری ہوگا؟ قرآن نے جلباب کی جو غرض بتائی ہے وہ اوباش لوگوں کی "ایذارسانی" سے محفوظ رہنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی ایذا دینے والا ہی نہ ہو تو جلباب کی ضرورت باقی نہیں رہنی چاہیئے۔

لیکن اس سلسلہ میں دو اہم سوال ابھی باقی ہیں جن کا جواب دیئے بغیر آیت مذکورہ کا مطالعہ مکمل نہیں ہو سکتا۔ اوّل یہ سوال کہ کیا عورتوں کو ایذا پہنچانے کی اخلاقی برائی کا سدِّ باب کرنا معاشرے میں ممکن ہے؟ اور دوسرا یہ کہ کیا قرآن حکیم ہم سے اس برائی کو اپنے معاشرے سے دُور کرنے کا مطالبہ کرتا ہے؟ پہلا سوال اس لیے اٹھایا گیا ہے کہ اگر راستہ چلتی عورتوں پر آوازے کسنا اور ان سے بدگوئی کرنا انسان کی سرشت میں داخل ہو اور اُس کا دور کرنا فطری اعتبار سے ناممکن ہو تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں مومنات کو جلباب کی ضرورت دائماً اور مستقلاً ہوگی اور کسی زمانے میں اور کسی حال میں بھی اس سے مفر نہ ہوگا۔ لیکن اگر یہ صورت نہیں تو جلباب کا استعمال یا عدم استعمال سوسائٹی کی ذہنی اور اخلاقی سطح پر موقوف ٹھہرے گا۔ ظاہر ہے کہ کوئی ہوش مند شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ بے خطا عورتوں پر تہمت تراشنا، ان پر آوازے کسنا اور اس قبیل کی دوسری نازیبا حرکات کا ارتکاب انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ یہ عادتیں بُری صحبت، غلط تربیت اور سفلی محرکات سے پیدا ہوتی ہیں اور مناسب تربیت اور صحت مند ماحول سے دور کی جا سکتی ہیں۔ آج بیسیوں قوموں نے اپنے اندر سے اس قباحت کو یکسر مٹا کر اور اپنے افراد میں عورت کا احترام پیدا کر کے عملاً ثابت کر دیا ہے کہ یہ بدقماشی انسانی فطرت کا حصہ نہیں بلکہ اس کا بگاڑ ہے اور اسے اچھی تعلیم و تربیت سے بآسانی درست کیا جا سکتا ہے۔ خود قرآن حکیم نے منافقین کو خبردار کیا ہے کہ اگر وہ ان حرکات سے باز نہ آئے تو ان کا انجام عبرت ناک ہوگا۔ ظاہر ہے اگر اس فعل سے باز رہنا

مقتضائے فطرت کے خلاف ہوتا تو اللہ تعالیٰ جو کسی نفس کو کسی ایسی بات کا مکلف و پابند نہیں کرتا جو اس کی طاقت سے باہر ہو یہ مطالبہ ہی کیوں کرتا۔

اور دوسرا سوال اس لیے اٹھایا گیا ہے کہ اگر جلباب کا استعمال یا عدم استعمال ماحول کی ذہنی اور اخلاقی سطح پر موقوف ہے تو پھر دیکھنا ہے کہ قرآن حکیم کا منشا یہ ہے کہ یہ برائی یہ عورتوں کو دق کرنے کی بےہودہ خصلت مسلم معاشرے میں ہمیشہ باقی رہے اور اس سے محفوظ رہنے کے لیے عورتیں جلباب کا استعمال کرتی رہیں۔ یا یہ کہ دیگر اخلاقی برائیوں کی طرح اس کا بھی اپنے درمیان سے قلع قمع کر دیا جائے؟ قرآن نے اس قماش کے لوگوں سے انتہائی بیزاری اور نفرت کا اظہار کیا ہے۔ ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے ذلت ناک عذاب کی خبر سنائی ہے۔ صرف یہی بات اس امر کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بدترین اور انتہائی قابل نفرین برائی ہے جسے مسلم معاشرے میں ابھرنے کا موقع ہی نہیں ملنا چاہیئے۔

الغرض اس آیت اور اس کے سیاق و سباق پر آپ جس قدر غور کریں گے اسی قدر یہ حقیقت آپ کے قلب و ضمیر پر روشن ہو جائے گی کہ ہمارا اصل کام جلباب کو تا ابد قائم رکھنا نہیں بلکہ اپنے درمیان سے غنڈہ گردی اور بدمعاشی کو ختم کر دینا ہے۔ البتہ جب اور جہاں بدقسمتی سے یہ صورت موجود ہو وہاں مومنات پر جلباب کا استعمال لازم ٹھہرے گا۔

ان تصریحات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ ان کھلے حقائق کے باوجود چہرہ چھپانے پر سختی سے زور دیتے ہیں بھلا ان کے پاس عقلی دلائل اور شرعی جواز کیا ہے؟ ہمارے ملک میں اس طبقہ کی سب سے اچھی اور وقیع نمائندگی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کرتے ہیں۔ لہذا متذکرہ بالا سوال سے بحث کرنے کے لیے ہم ان کی تحریروں کا جائزہ لیتے ہیں۔

مولانا مودودی نے اپنی کتاب "پردہ" میں اسلامی پردے کے متعلق جو نظریہ پیش کیا ہے وہ میرے خیال میں سورۂ الاحزاب کی مفصلہ بالا آیت کے ادھورے اور نامکمل مطالعہ پر مبنی ہے کیونکہ انہوں نے اس آیۂ شریفہ سے چہرے کے چھپانے کا حکم تو لے لیا مگر ان حقائق و واقعات کو یکسر نظر انداز کر دیا جو اس حکم کا سبب بنے تھے۔ اور جن کو پیش نظر رکھے بغیر نہ اس کی غرض و غایت سمجھ میں آسکتی ہے اور نہ حدود و ثغور کا پتہ چل سکتا ہے۔ مولانا مودودی اس آیت کو اس کے سیاق و سباق سے کاٹ کر یہاں لائے ہیں اور اس کے ترجمے سے یہ ثابت کر کے کہ "یہ آیت خاص چہرے کو چھپانے کے لیے ہے" (دیکھئے ۲۰۹) آگے بڑھ گئے ہیں۔ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی رک کر نہ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ آیت کب اتری؟ کن حالات میں اتری؟ کس غرض و غایت سے اتری؟ اور نہ اس بات پر ہی غور کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ والی آیات اس کے پس منظر اور پیش منظر پر کیا روشنی ڈالتی ہیں اور بہ حیثیت مجموعی ہمیں ان سے کیا رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ وہ فقط آیت کے اس حصے سے سروکار رکھتے ہیں جو ان کے نظریئے کی حمایت میں ہے۔

دو سو چالیس صفحے کی اس کتاب میں شرق و مغرب کی ہر متعلقہ بات ہے۔ کئی کئی صفحوں میں ادیبوں اور فن کاروں سے

حوالے ہیں۔ ورق کے ورق سرکاری اور غیر سرکاری رپورٹوں کے لیے وقف ہیں۔ اس ضمن کی ہر ادبی اور معاشرتی تحریک کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان کی تفصیلات کے لیے الگ الگ باب باندھے گئے ہیں۔ مگر جس آیہ شریفہ پر کتاب کی پوری عمارت اٹھائی جاتی ہے اور جس پر سارے دعوے کا انحصار ہے اس کی نہ شان نزول پر توجہ کی گئی ہے نہ اس کے ساتھ والی آیات کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور نہ اس سے پیدا ہونے والے مسائل و نتائج پر غور کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ انداز مطالعہ و استدلال اگر کسی حقیقت کو پیش بھی کرے گا تو وہ اس کی ادھوری اور ایک رخی ترجمانی ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت کو پیش کر کے چہرے کو چھپانے پر تو از حد زور دیا گیا ہے لیکن معاشرے سے اس اوباش پنے کو دور کرنے پر قطعاً کوئی توجہ نہیں کی گئی اور اس برائی کو مٹانے کا سوال تک نہیں اٹھایا گیا جس کا وجود اگر ایک طرف مومنات کے لیے جلباب کو ناگزیر بناتا ہے تو دوسری طرف خود سوسائٹی کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے کہ جس کا مٹانا از روئے قرآن ہمارے اولین فرائض میں سے ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص بھی اس آیت کے فقط سرسری ترجمے سے سروکار رکھے گا اور اس کے سیاق و سباق سے اور ان واقعات سے جو اس سے بدیہی طور پر ثابت ہوتے ہیں، اغماض برتے گا وہ مسلمان عورت کے لیے چہرہ چھپانے کو لازمی اور دائمی دستور العمل قرار دے گا مگر جو شخص اس آیت کا تفصیلی مطالعہ کرے گا۔ اس کے سیاق و سباق پر نگاہ رکھے گا۔ اور اس کی گہرائی میں اترے گا وہ لامحالہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ قرآن مجید عام اور معمولی حالات میں مسلمان عورت پر چہرے کو چھپانے کی کہیں کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔

یہ بات احادیث سے ایک اور طریقے سے بھی ثابت ہے۔ مذکورہ آیت کے نزول کے بعد، جیسا کہ ہونا چاہیئے تھا، مسلمان عورتوں نے منافقین کی ایذا سے بچنے کے لیے جلباب کا استعمال شروع کر دیا۔ اور نقاب اوڑھنے لگیں۔ مگر حج کے موقعہ پر جہاں منافقین کی نازیبا حرکات کا کوئی اندیشہ نہ تھا، نبی اکرمؐ نے عورتوں کو نقاب اوڑھنے سے منع فرما دیا۔ یہ واقعہ اکثر کتب احادیث میں مذکور ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"ابو داؤد، ترمذی، موطا اور دوسری کتب احادیث میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے عورتوں کو حالت احرام میں چہروں پر نقاب ڈالنے اور دستانے پہننے سے منع فرما دیا تھا۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اس عہد مبارک میں چہروں کو چھپانے کے لیے نقاب اور ہاتھوں کو چھپانے کے لیے دستانوں کا عام رواج ہو چکا تھا۔ صرف احرام کی حالت میں اس سے منع کیا گیا۔ مگر اس سے بھی یہ مقصد نہ تھا کہ حج میں چہرے منظر عام میں پیش کیے جائیں بلکہ دراصل مقصد یہ تھا کہ احرام کی فقیرانہ وضع میں نقاب عورت کے لباس کا جزو نہ ہو جس طرح کہ عام طور پر ہوتا ہے۔" (پردہ: ۲۱۲)

اب سوال یہ ہے کہ کیا نقاب کوئی امیرانہ ٹھاٹھ ہے کہ اسے احرام کی "فقیرانہ وضع" میں عورت کے لباس کا جزو نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر نقاب کا اوڑھنا ماحول کی ذہنی سطح پر منحصر نہیں بلکہ بلا اعتبار عہد و ماحول ہر حال میں مومنات

پر فرض ہے تو حضور نبی اکرمؐ نے آخر کس بنا پر حکم ربّانی میں یہ استثناء پیدا کر لی اور کیا نبی اکرمؐ کی زندگی میں کوئی اور مثال بھی ملتی ہے کہ قرآن نے جو حکم دیا ہو حضورؐ نے اس میں اپنے طور سے کوئی ترمیم یا استثناء فرمائی ہو؟

یہاں آنحضرتؐ کے اس طرزِ عمل کا جو مقصد بیان کیا گیا ہے وہ ہمیں لاینحل مشکلات میں پھنسا دیتا ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ متعلقہ آیت کا ادھورا مطالعہ کیا گیا ہے ورنہ بات بالکل سیدھی ہے کہ رسول اکرمؐ نے قرآنی حکم میں نہ کوئی ترمیم و استثناء فرمائی ہے اور نہ نقاب ہی امیرانہ شان کا مظہر ہے کہ احرام کی فقیرانہ وضع کے ساتھ میل نہ کھاتا ہو۔ حقیقت یوں ہے کہ خود حکم قرآنی کی رو سے نقاب کا اوڑھنا چونکہ ماحول کی ایک خرابی سے محفوظ رہنے کی تدبیر ہے لہٰذا آنحضرتؐ نے جب دیکھا کہ حج کے موقعہ پر اس خرابی کا کوئی اندیشہ نہیں تو عورتوں کو نقاب اوڑھنے سے منع فرما دیا اور اس طرح آنے والی نسلوں کو حکم ربانی کی صحیح ترین تفسیر سے آگاہی بخشی۔ جب تک اصل آیت کو درست زاویے سے نہ دیکھا جائے اس آیت کی عین متابعت میں آنحضرتؐ کے طرزِ عمل کو سمجھنا ممکن نہیں ہوتا۔ ناچار اس کی ایسی توجیہہ و تاویل کرنی پڑتی ہے جو ایک لمحہ کی تنقیح کا سامنا نہیں کر سکتی اور جس سے اسلام کے اس بنیادی اصول پر بھی زد پڑتی ہے کہ خود رسول اقدسؐ کی ذات بھی قرآن حکیم کی پابند ہے اور اس میں ترمیم و تنسیخ کرنے کی مجاز نہیں۔

یہاں تک تو قرآن و حدیث کا تعلق تھا اس کے علاوہ مولانا صاحب نے اپنے نظریے کی حمایت میں ایک عقلی دلیل بھی دی ہے۔ وہ یہ فرمانے کے بعد کہ "ایک انسان کو دوسرے انسان کی جو چیز سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے وہ اس کا چہرہ ہی تو ہے انسان کی خلقی و پیدائشی زینت یا دوسرے الفاظ میں انسانی حسن کا سب سے بڑا مظہر چہرہ ہے۔ نگاہوں کو سب سے زیادہ وہی کھینچتا ہے۔ جذبات کو سب سے زیادہ وہی اپیل کرتا ہے اور صنفی جذب و انجذاب کا سب سے زیادہ قوی ایجنٹ وہی ہے مولانا مودودی اس کی مزید وضاحت یوں کرتے ہیں:

"اگر سوسائٹی میں سر صنفی انتشار کو روکنا مقصود ہی نہ ہو، تب تو چہرہ کیا معنی، سینہ اور بازو اور پنڈلیاں اور رانیں سب ہی کچھ کھول دینے کی آزادی ہونی چاہیئے . . . . لیکن اگر اصل مقصد اسی طوفان کو روکنا ہو تو اس سے زیادہ خلافِ حکمت اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ اس کو روکنے کے لیے چھوٹے چھوٹے دروازوں پر تو کنڈیاں چڑھائی جائیں اور سب سے بڑا دروازہ کھلا چھوڑ دیا جائے۔ سب سے بڑے دروازہ سے مراد چہرہ ہے اور چھوٹے چھوٹے دروازوں سے مراد اسلامی پردہ کے وہ ارکان ہیں جو چہرے کے علاوہ قرآن میں بیان ہوئے ہیں اور جن پر وہ لوگ زور دیتے ہیں جو چہرے کے چھپانے کو اسلامی پردے کا لازمی جزو خیال نہیں کرتے مثلاً نگاہیں نیچی رکھنا، سینوں اور گریبانوں پر اوڑھنی کی بُکل مارنا، زینت ظاہرہ کے سوا جسم کی ساری زینت کو چھپانا اور اس طرح چلنا کہ چھپے زیوروں سے جھنکار پیدا نہ ہو وغیرہ۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کا فیصلہ کون کرے کہ چھوٹے دروازے کون سے ہیں اور بڑا دروازہ کون سا ہے۔ اس معاملے میں حَکَم کون ہے؟ یہ مشکل کیں سے

حمل کرتی ہیں؟ ایک طرف قرآن ہے کہ اس نے کسی ایک جگہ بھی چہرے کے چھپانے کا صاف لفظوں میں غیر مشروط طور پر حکم نہیں دیا۔ مگر نگاہوں کو نیچی رکھنے، سینوں پر آنچل مارنے، زینت ظاہرہ کے علاوہ سارے جسم کو چھپانے، نمائش حسن سے باز رہنے اور خالی از لذت چال چلنے کا حکم بڑے واضح الفاظ اور غیر مشروط انداز میں دیا ہے۔ پھر رسول اکرمؐ ہیں کہ اسماء بنت ابوبکرؓ کو باریک لباس میں دیکھ کر فرماتے ہیں، اسماء! جوان عورت کے لیے مناسب نہیں کہ اس کے جسم سے سوائے چہرے اور ہاتھوں کے کچھ نظر آئے۔ اگر صنفی جذب و انجذاب کا سب سے قوی ایجنٹ چہرہ ہی تھا تو قرآن نے اس کی طرف حسب اہمیت و ضرورت کیوں توجہ نہیں دی؟ اور رسول اکرمؐ نے اس کو مستثنیٰ کیوں قرار دیا؟

عربی زبان میں آنکھ کو بصر، سینے اور گریبان کو جیب، پاؤں کو رجل، بناؤ سنگار کو زینت اور چہرے کو وجہ (جمع وجوہ) کہتے ہیں۔ جو لوگ چہرے کو صنفی جذب و انجذاب کا سب سے بڑا دروازہ سمجھتے ہیں وہ اس حقیقت پر غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی معاشرے کو جنسی ہیجانات سے پاک رکھنے کے لیے ابصار، جیوب، رجل اور زینت وغیرہ کے لیے تو نام بنام حکم جاری کیے مگر اس ضمن میں وجہ یا وجوہ کا لفظ تک قرآن میں نہیں آیا حالانکہ یہ لفظ دوسرے ضمنات میں کئی بار قرآن حکیم میں استعمال ہوا ہے اور رسول اکرمؐ کی زبان مبارک سے ادا ہوا تو صریحاً اس غرض کے لیے کہ وجہ کو پردے سے مستثنیٰ سمجھا جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

اذا بلغت المرأة لم یجعل لھا ان تظھر الا وجھھا — جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ کچھ ظاہر کرے سوائے چہرے کے۔

الجاریة اذا حاضت لم یصلح ان یری منھا الا وجھھا ویدھا الی المفصل ..... (ابوداؤد) — جب عورت جوان ہو جائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آنا چاہیے سوائے چہرے کے اور کلائی کے جوڑ تک کے۔

کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی نظر میں چہرے کو صنفی کشش کے اعتبار سے وہ درجہ و مقام حاصل نہیں کہ اسے سب سے بڑا دروازہ کہا جائے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ خواہ عام مشاہدات کی مدد سے دیکھا جائے خواہ نفسیات کے گہرے مطالعے کی روشنی میں چہرے کو انسانی حسن کا تو سب سے بڑا مظہر کہا جا سکتا ہے مگر وہ صنفی جذب و انجذاب کا سب سے زیادہ قوی ایجنٹ ہرگز نہیں۔ صنفی جذب و انجذاب کے سب سے قوی ایجنٹ وہ ہیں جن کی طرف قرآن نے پوری توجہ دی ہے۔ نگاہوں کی شوخی و بیباکی، سینے کی نمائش، بناؤ سنگار کی دلربائی اور رفتار و گفتار کے ناز و ادا۔ یہ چیزیں جنسی کشش کا سرچشمہ اور ماخذ ہیں۔ اگر ان کو بند کر دیا جائے ان کو روک دیا جائے تو چہرہ خوبصورت ہو یا بدصورت، معصومیت اور شرافت کا پیکر بن جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کی انسدادی تدابیر نہایت طور پر کیا ذہین کہ اس نے جنسی تحریک کے ان سرچشموں پر تو پہرے بٹھا دیئے اور چہرہ جو بذات خود جنسی جذبات کی انگیخت کا باعث نہیں بن سکتا تاوقتیکہ ان سرچشموں سے اسے مدد نہ ملے۔ اس پر پہرہ بٹھانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں